Research Journal
Tahqeeqat

eISSN: 2791-0342
pISSN: 2791-0334

ریسرچ جرنل
تحقیقات

فطرت اور مقامی ثقافت: مستنصر حسین تارڑ کے ناول بہاؤ کے تناظر میں

Nature and Local Culture: In the Context of Mustansar Hussain Tarar's Novel "Bahao"

Shehzad Qaiser
Ph. D Scholar, Dept. of Urdu
International Islamic University, Islamabad
Dr. Aziz Ibnul Hasan
Ex-Associate Professor, Dept. Of Urdu
International Islamic University, Islamabad

شہزاد قیصر
پی ایچ ڈی سکالر شعبہ اردو، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد
ڈاکٹر عزیز ابن الحسن
سابق، ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ اردو، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد

Abstract

This article explores the intricate relationship between nature and local culture in Bahao, a celebrated Urdu novel by Mustansar Hussain Tarar. It examines the concept of nature through multiple theoretical perspectives, including an Islamic viewpoint, and defines culture in its various forms. The study delves into how Bahao vividly portrays natural landscapes and indigenous cultural elements, weaving them into the narrative's broader themes of survival, transformation, and the deep-rooted connection between humans and their environment. The novel highlights the evolving dynamics between nature and culture, illustrating how environmental changes gradually reshape traditional ways of life. Through a rich and immersive depiction of a riverine civilization, Bahao presents a world where human existence is intricately tied to the rhythms of nature. As the natural world undergoes subtle yet profound changes, cultural identities begin to shift, leading to an inevitable transformation of social structures, traditions, and beliefs. This study critically analyzes how Bahao portrays the fragility of indigenous cultures in the face of ecological shifts. It explores how Tarar masterfully captures the suitable balance between human civilization and the surroundings, offering a poignant reflection on the enduring yet vulnerable bond between nature and cultural heritage. By shedding light on these themes, this article positions Bahao as a significant literary work that not only narrates a historical reality but also serves as a timeless commentary on the interconnectedness of culture and the physical world.

Keywords: *Nature, Culture, Indigenous Traditions, Environmental Changes, Riverine Civilization, Human-environment Relationship, Ecological Shifts, Cultural Transformation, Literary Analysis, Historical Narrative*

کلیدی الفاظ: فطرت، ثقافت، مقامی روایات، ماحولیاتی تبدیلیاں، دریائی تہذیب، انسان اور ماحول کا رشتہ، ثقافتی تبدیلی، ادبی تجزیہ، تاریخی بیانیہ

فطرت مختلف معانی اور مفاہیم:

فطرت عربی زبان کا لفظ ہے۔ جس کے معنی، پیدائش، قدرت، قدرتی طور پر پیدا کی ہوئی کائنات اور آفرینش کے ہیں۔ فطرت کے لیے انگریزی لفظ نیچر بھی مستعمل ہے۔ نیچر کا لفظ، فطرت، دنیا، قانون اور قدرت کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔

یہ لفظ اپنے معنی میں ہمہ گیر اور وسعت کا حامل ہے۔ فطرت کی تفصیل میں ہر وہ شے شامل ہے جو خدائے بزرگ و برتر نے اپنی قدرت کاملہ سے اس کرّے اور اس کے ساتھ ساتھ اس کرّے سے باہر پھیلی ہوئی تمام دنیاؤں میں خلق کی ہے۔ خدا کی یہ تخلیق جو ہمیں اس جہاں رنگ و بو میں نظر آتی ہے اس تخلیق میں ہمارے ارد گرد کے تمام مظاہر اور مناظر فطرت شامل ہیں۔ ان مناظر و مظاہر میں اونچے پہاڑ، برف پوش چوٹیاں، بہتے دریا، پر سکون سمندر، شور مچاتے ندی نالے، گنگناتے جھرنے، گھنے جنگلات اور حسین وادیاں سب کی سب فطرت کے ذیل میں شمار ہوتی ہیں۔

OPEN ACCESS HEC DRJI ISSN INTERNATIONAL STANDARD SERIAL NUMBER INTERNATIONAL CENTRE اشاریہ اردو جرائد EuroPub

فطرت کے ایک معنی کسی جان دار اور بے جان شے میں موجود وہ جوہر ہے جو وقتِ تخلیق اس کے اندر خالق کائنات کی طرف سے رکھ دیا گیا ہے، یعنی شے کی اصل۔ جس پر اس شے کے وجود کی بقا کا مدار ہے۔ جو اٹل ہے اور غیر متبدل ہے۔ پانی کی اصل تری ہے جو اس کے اندر موجود ہے اور تری اس کے اندر غیر مبدل شکل میں ہر وقت، ہمہ وقت موجود رہتی ہے۔ ہر وہ شے جو اس دنیا میں ہمیں نظر آتی اس صفت سے متصف ہے۔

فطرت کے بارے میں قاسم یعقوب اپنے ایک مضمون "ادب اور فطرت: ماحولیاتی تناظرات" میں لکھتے ہیں:

> "فطرت Nature بہت سی متضاد اور مختلف خاصیتوں کے عناصر کا مجموعہ ہے۔ فطرت وہ خاصیت یا صفت ہے جو تخلیقی طور پر ہر شے میں رکھ دی جاتی ہے۔ اُس کے وجود میں مادی تبدیلیوں کو اُس کی فطری تبدیلی نہیں کہا جا سکتا۔ جاندار یا بے جان اشیا اپنی انتہا پر پہنچنے تک کئی مراحل طے کرتی ہیں، مگر فطرت وہ بنیادی خوبی یا صفت ہے جو ابتدا سے انتہا کے سفر کے دوران ان میں موجود رہتی ہے۔ گویا فطرت وہ تخلیقی مواد ہے جس پہ جاندار یا بے جان کی عمارت تعمیر ہوتی ہے جس سے روگردانی کرنا اُس تشکیل سے انحراف ہے جس پر اس کا وجود کھڑا ہے۔"(۱)

فطرت یہاں اصل کے معنوں میں آئی ہے، انسان ہو یا حیوان اس کی ایک اصل ہے جس پر اس کو پیدا کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ فطرت ان تمام مظاہر کی شکل میں ہمارے سامنے ہے جو ازل سے اس دنیا میں اور اس سے ماورا موجود رہے ہیں۔ فطرت کی تعریف اور اس کے مفہوم کے متعلق سید منور شاہ اپنے تحقیقی مقالے "اقبال کے اردو کلام میں فطرت نگاری" میں لکھتے ہیں:

> "فطرت عربی زبان کا لفظ ہے جسے Nature کا ہم معنی سمجھا جاتا ہے۔ جو کہ یونانی زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب پیدائش اور آفرینش ہے۔ یونانی میں اس لفظ کو بنیادی صفات یا پیدائشی عادات کے معنوں میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ ان معنوں میں ہر چیز اپنی نیچر رکھتی ہے۔ وہ پہاڑ ہوں کہ دریا۔ آگ ہو کہ پانی، انسان ہو کہ حیوان۔"(۲)

فطرت کے بارے میں یہ بات صراحت سے کہی جا سکتی ہے کہ ارد گرد کے مناظر یعنی انسان کے خارج اور اس کے باطن کی مخفی صلاحیتیں جن میں اس کا جوہرِ خاص پوشیدہ ہے سب فطرت ہیں۔ فطرت کے اس فلسفیانہ پہلو پہ بھی بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ فطرت چونکہ انسان کے خارج اور باطن دونوں میں موجود ہے، اس لیے ہر مذہب نے فطرت کے بارے میں اپنے تصورات پیش کیے ہیں۔ قدیم یونانی، رومی اور نو افلاطونی تصورات سے لے کر موجودہ صدی تک فطرت کے بارے میں تصورات مختلف اقوام اور مذاہب کے زیر اثر سامنے آتے رہے ہیں۔ فطرت کے بارے میں مذہب اسلام بھی ایک واضح تصور رکھتا ہے۔

اسلام میں فطرت کے تصور کو واضح کرنے کے لیے علی بن محمد جرجانی کی کتاب "**التعریفات**" سے چند بنیادی اصطلاحات ترجے کے ساتھ سمجھنی ضروری ہیں:

طَبَع: جو انسان پر واقع ہوتی ہے بغیر ارادہ کے

طَبع: جبلت جس پر انسان پیدا کیا گیا ہے۔

طَبِیعت: وہ قوت جو اجسام میں جاری ہوتی ہے اور جس سے جسم کمالِ طبعی کو پہنچتا ہے۔

فِطرت: وہ جبلت جس کے ذریعے قبول دین کا میلان پیدا ہوتا ہے۔

ان الفاظ میں طبیعت ان معنوں سے قریب ہے جن کے لیے انگریزی لفظ نیچر استعمال ہوتا ہے۔ یہ لفظ طبیعت بھی عرب فلسفیوں نے یونانی لفظ Phusis کے ترجمے کے طور پر برتا ہے جس سے انگریزی لفظ Physical نکلا ہے۔

عربی لفظ فطرت کا مادہ فطر ہے جس کی دو شکلیں ہیں۔ ایک تو "فَطَر" جس کے معنی پھاڑنا اور دوسرا "فَطر" جس کے معنی ہیں بنانا یا تخلیق کرنا۔ اسلامی علوم میں لفظ "فطرت" کے معنی میں مندرجہ ذیل مفاہیم شامل ہیں:

۱: اس کا اطلاق کبھی ان کمالات پر ہوتا ہے جو انسان کی تخلیق یا بناوٹ میں رکھے گئے ہیں۔

۲: کبھی اسلام پر ہوتا ہے۔

۳: کبھی قبول اسلام کی استعداد پر۔

۴: کبھی اللہ کی معرفت و توحید پر۔

۵: کبھی انبیأ کی اجماعی سنت پر۔

۶: کبھی استقامت علی الدین پر۔

۷: کبھی طریقہ حقہ پر۔

۸: کبھی علامات استقامت پر۔

قرآن اور حدیث میں یہی استعمالات شائع ہیں اور ان سب میں لفظ کے اصل معنی وہ حالت جس پر انسان کی تخلیق کی گئی ہے۔(۳)

ثقافت معنی و مفاہیم:

فطرت کے اس ہمہ گیر اثر کو دنیا کے تمام براعظموں کے انسانوں نے شروع دن سے اپنے ساتھ منسلک پایا۔ فطرت کے اثر کو کم کرنے اور زندگی کو اپنے ڈھب سے گزارنے کی کوششیں انسان شروع دن سے کرتا آیا ہے۔ نسل انسانی کی ابتدا سے انسان نے اپنے اردگرد موجود وسیع و عریض سبزہ زاروں، کوہساروں اور ریگستانوں میں زندگی گزارنے کے مختلف طریقے اختیار کیے۔ گرمیوں نے ستایا تو سایہ دار گھر بنائے، سردیوں سے اُکتایا تو گرم غاروں اور جنگلی جانوروں کی کھال کو کام میں لایا، غرض فطرت کی سختی کو اپنی ذہنی اپج اور مہارت سے شکست دینے میں کامیاب ہوا۔ اپنی بقا کا سفر جو بنیادی ضروریات سے اس نے شروع کیا تھا، وہ زرعی معاشرے تک خاصا ترقی یافتہ ہو چکا تھا۔ اب اس کے پاس قدرے بہتر رہائش، بول چال کے لیے زبان، کھیتی کرنے کو اوزار اور دریاؤں کے پانی سے استفادے کا پورا نظام موجود تھا۔ اس ابتدائی کامیابی کے بعد تاحال یہ عمل جاری اور ترقی پذیر ہے۔ یہ عمل جو انسان کو حیوانوں سے ممتاز کرتا ہے اس کی ثقافت کہلایا۔ انسان شروع دن سے اپنے اردگرد موجود اشیا کو سمجھنے، ان سے معانی اخذ کرنے اور ان کو اپنے ڈھب پر ڈھالنے کے لیے کوشاں رہتا تھا، لیکن اس کو قابلِ قدر کامیابی بہت بعد میں ملی۔ شروع میں وہ اپنے ماحول کا ایک حصہ تھا۔ ڈاکٹر وزیر آغا اپنے ایک مضمون "ثقافت، ادب اور جمہوریت" کے ابتدائیے میں لکھتے ہیں:

> "جنگل ہی کی طرح وہ سدا دائرے میں حرکت کرتے تھے۔ وہ نیچر کا ایک اٹوٹ انگ تھے، مگر پھر آج سے محض چند ہزار سال پہلے ثقافت کا انکھوا پھوٹا اور اس نے نیچر کو ترتیب، سمت اور تاریخ سے آشنا کرنے کا آغاز کر دیا۔ کلچر کا لغوی مفہوم ہی تراش خراش ہے۔ جب انسان جنگل کے اندر راستے اور پگڈنڈیاں بناتا ہے، جنگل کے بعض حصوں کو صاف کر کے ان میں فصلیں اگاتا ہے یا جنگل کو چمن میں تبدیل کرتا ہے تو گویا کلچر کو وجود میں لاتا ہے۔"(۴)

یہ تراش خراش کا عمل مسلسل جاری ہے۔ اس عمل میں انسان شروع دن سے ایک بھرپور کردار ادا کرتا چلا آیا ہے۔ جنگل، صحرا، میدان اور سمندر جو فطرت کے بہترین اظہاریے ہیں انسان کے گرد موجود رہے ہیں۔ ان کے ساتھ اس نے زندگی گزرانے کی ایک ترتیب بنائی ہے اس ترتیب سے جو شکل اُبھر کر ہمارے سامنے آتی ہے اسے ابتدائی ثقافت کہہ سکتے ہیں۔ ثقافت کی مختلف تعریفوں کو یکجا کر کے دیکھیں تو ہم مجموعی

طور پر ثقافت کے بارے میں کہہ سکتے ہیں کہ انسانی علم، عقیدے، رویے، زبان، نظریات، عقائد، رسوم و رواج، روایات، ضابطے، ادارے، اوزار، تکنیک، فن پارے، رسومات، تقاریب اور دیگر متعلقہ اجزاء کے مربوط نمونے کو ثقافت کہتے ہیں۔

ثقافت کی ابتدا تو فطرت کے ساتھ ایک تال میل ملانے سے ہو جاتی ہے لیکن جیسے جیسے وقت گزرتا ہے اس عمل میں قدرے پیچیدگی در آتی ہے۔ بحثیتِ مجموعی انسان اس معاشرے میں رہن سہن، بود باش، خوشی غمی، شادی بیاہ، کھیتی باڑی اور آمدورفت کے جیسے ذرائع استعمال کرتا ہے سب کہیں نہ کہیں اس کی ثقافت کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ ثقافت اپنی مجموعی ہیئت میں ان سب افعال سے متعلق ہے جو انسان ذہنی جسمانی اور روحانی سطح پر سرانجام دیتا ہے۔ اس لیے ثقافت دو بڑے حصوں میں منقسم کی جاسکتی ہے۔ ایک وہ جن کا تعلق جسمانی افعال سے ہے اور دوسرے وہ افعال جن کا تعلق روحانی افعال سے ہے۔ جسمانی افعال انسان کے کھانے پینے، سونے جاگنے، آنے جانے، لباس رہن سہن، بود باش کا احاطہ کیے ہوتے ہیں۔ اسی طرح اس کے افعالِ روحانی اس کے عقائد، عبادات، ایمانیات، مذہبی رسوم و رواج یعنی اس کی مابعد الطبیعات سے متعلق ہوتے ہیں۔

اس بات کی وضاحت فیض احمد فیض نے اپنے مضمون "تہذیب کی تعریف" میں کچھ یوں کی ہے:

> "عمومی طور پر معاشرہ جس طریقے سے اپنی زندگی بسر کرتا ہے۔ اس کے رہن سہن میں جو چیزیں داخل ہیں وہ بھی کلچر ہے۔ یعنی معاشرے کا کلچر یہ ہے کہ وہاں کے لوگ اس قسم کا لباس پہنتے ہیں، اس قسم کی غذا کھاتے ہیں، اس قسم کے ان کے رسم و رواج ہیں۔" (۵)

مقامی ثقافت:

دنیا کے طول و عرض میں مختلف اقوام کے لوگ صدیوں سے آباد ہیں۔ ہر قوم کا جغرافیہ، رنگ و نسل دوسری سے قدرے مختلف ہے۔ اقوام دنیا کے مختلف براعظموں میں اور کچھ اقوام ایک ہی براعظم کے مختلف حصوں میں زندگی بسر کر رہی ہوتی ہیں۔ ان اقوام کے اپنے مقام سے منسلک ہونے کی وجہ سے رہن سہن، بود باش، زبان اور خوراک کے ذرائع اور اوضاع مختلف ہو سکتے ہیں۔ اسی وجہ سے ہر قوم ایک مقامی ثقافت کی بھی حامل ہوتی ہے، یا ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہر قوم کی ایک جدا ثقافت ہوتی ہے۔

صحراؤں اور گرم علاقوں کے رہنے والے اپنی وضع قطع کے ساتھ ساتھ رہائش، خوراک اور لباس میں سرد علاقوں کے رہنے والوں سے بالکل مختلف زندگی گزارتے ہیں اس لیے ان کی ثقافت میں بُعد المشرقین ہو سکتا ہے۔ اسی طرح ہر علاقہ، ہر قوم، اپنی، رنگ نسل اور بود باش کے حوالے سے جداگانہ شناخت رکھتی ہے۔ اسی جداگانہ شناخت کو مقامی ثقافت کا نام دیا گیا ہے۔ دریائے سندھ اور نیل کے کنارے بسنے والی دونوں تہذیبیں دریا کے کنارے زندگی گزارنے کی وجہ سے بہت سارے عوامل میں ایک دوسرے کے مشابہہ ہو سکتی ہیں لیکن ان کی ذیلی شناختیں جیسے زبان، تہوار، مذہب جدا جدا ہو سکتے ہیں۔ ثقافت میں مذہب کا بھی ایک بڑا مقام ہے۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایک مذہب کے ماننے والے ایک ہی ثقافت سے منسلک ہوتے ہیں؟ اس سوال کا جب ہم اسلامی تہذیب میں تلاش کر سکتے ہیں۔ اسلام کے ماننے والے، افریقہ، یورپ، آسٹریلیا، ایشیا، جنوبی اور شمالی امریکا میں موجود ہیں۔ ان کے درمیان مذہبی ہم آہنگی، ایمانیات اور عقائد کے اشتراک کے باوجود زبان، لباس، وضع قطع، بود باش، رہائش، اور کھانے پکانے کا واضح فرق نہ صرف موجود بلکہ بہت نمایاں ہے۔ اب کچھ اہم سوال قومی ثقافت کے ذیل میں سامنے آتے ہیں، جیسا کہ قومی یا مقامی ثقافت کی حدود کیا ہوتی ہیں؟ یہ قوم کس کو اپنی قوم کا فرد تصور کرتی ہے؟ اور اس فیصلے کی وجوہات اُس قوم کے نزدیک کیا ہیں؟ یہ بہت بنیادی سوالات ہیں ان کے جواب دیے بغیر ثقافت کے موضوع کو سمیٹا نہیں جاسکتا۔ قوم کی اساس اس کی خاص زبان خاص علاقہ اور مخصوص طرز حیات ہو سکتا ہے۔ پاکستان کی سطح پہ ہم دیکھیں تو سندھ، بلوچستان، خیبر پختون خواہ، پنجاب، کشمیر اور گلگت بلتستان

جدا جدا ثقافتوں کے نمونوں کی شکل میں ہمارے سامنے آتے ہیں۔ جب ہم ایک ثقافت کو دوسری سے برتر یا ایک ثقافت کو دوسرے پر نافذ کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو اس کے نتائج خاصے بھیانک ہو سکتے ہیں۔ بنگلہ دیش کی مثال ہمارے سامنے اس کی واضح دلیل ہے۔ قومی کلچر کی وضاحت کرتا فیض احمد فیض کا یہ اقتباس دیکھیے۔ یہ اقتباس ان کی کتاب ہماری قومی ثقافت سے لیا گیا ہے:

"قومی کلچر کیا ہوتا ہے؟ ظاہر ہے کہ پہلے تو قوم ہونی چاہیے جس کا کلچر قومی کلچر کہلائے۔ پھر اُس قومی کلچر کو متعین کرنے کے لیے اُسے دوسری قوموں کے کلچر سے کئی طریقوں سے مخصوص کریں۔ تھوڑی دیر کے لیے آپ کلچر کو ایک ایسی شے تصور کریں جس کی میز یا کرسی کی طرح تین حدود ہیں۔ ایک تو اس کا طول، دوسرے اس کا عرض، تیسرے اُس کی گہرائی۔ اب اس کی تفصیل، اس وقت سے لے کر اب تک کا زمانہ اس کے کلچر کا طول ہے۔۔۔۔۔ کسی قوم کے کلچر کے عرض کا مطلب یہ ہے کہ وہ قوم اپنی جغرافیائی حدود کہاں مقرر کرتی ہے۔ وہ جہاں بھی اپنے وطن کی حدود مقرر کرتی ہے یا اپنے کلچر کی زمینی حد ارضی حد مقرر کرتی ہے اس کو کلچر کا عرض کہہ لیجے۔" (٦)

ناول بہاؤ کے تناظر میں فطرت و مقامی ثقافت:

مستنصر حسین تارڑ بطور ناول نگار کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ سفر ناموں کے ساتھ ناول نگاری بھی ان کا خاص میدان ہے۔ آپ کا ناول بہاؤ 1992ء میں شائع ہوا۔ 272 صفحات پر مشتمل یہ ناول تاریخی، تہذیبی، فطرتی اور مقامی ثقافت کے بے تحاشا پہلوؤں سے لبریز ہے۔ مستنصر حسین تارڑ نے پانچ ہزار سال قبل وادی سندھ کے کنارے موئنجو داڑو کی تہذیب کے زمانے کی ایک ذیلی بستی کی کہانی بیان کی ہے۔

ناول کا مرکزی موضوع وادیٔ سندھ اور اس کی تہذیب کے گرد گھومتا ہے، لیکن یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ یہ ناول اردو ادب کا فطرت، ثقافت، ماحولیاتی تنوع اور ماحولیاتی تبدیلیوں کو موضوع بناتا ایک اہم ناول ہے۔ فطرت کی رنگا رنگی اس ناول میں زیبِ داستان کے لیے نہیں بلکہ کرداروں کی زندگی کے ساتھ جیتی جاگتی اور متحرک زندگی گزارتی نظر آتی ہے۔ ناول کے کردار فطرت میں یوں گُندھے ہوئے ہیں جیسے فطرت کے اندر سے ہی پھوٹے ہیں۔ دریا، درخت، چرند پرند، حیوان سب ناول میں مرکزی کرداروں اور پلاٹ کے اندر بہت جاندار طریقے سے دخیل ہیں۔ فطرت کی اس پیش کش کے ساتھ مقامی ثقافت کا اظہار بھی ناول میں جابجا نظر آتا ہے۔

ناول کا آغاز ایک پرندے کی اُڑان اور پیاس سے بے تاب ہو کر جھیل تک پہنچنے کی کوشش سے ہوتا ہے۔ پرندے اس پورے ناول میں فطرت کے غماز کے طور پر سامنے آتے ہیں۔ اس پہلے پرندے سے لے کر ناول کے اختتام تک چرند پرند قاری کے ذہن پر کردار کی صورت چھائے رہتے ہیں۔ پرندے کی پیاس اور گرمی کا منظر تارڑ یوں بیان کرتے ہیں:

"اُس کے سفید پروں تلے ریت تھی۔ سفید پر جو ایک دوسرے کے ساتھ کہیں چھو جاتے تو اُن میں سے چنگاریاں پھوٹنے لگتیں کہ اُن میں نمی کا ایک قطرہ نہ تھا۔ خُون صرف دل کے ارد گرد گھومتا تھا پروں میں سوکھ چکا تھا، ان میں دوڑنے والی سرخ نمی خشک ہو چکی تھی۔ اُس زبان کی طرح جو اُس کے تالو سے ایک مردہ سانپ کی مانند چپکی ہوئی تھی۔ جسم زندہ تھا، اسی لئے اُڑان میں تھا۔" (٧)

ناول کے آغاز سے فطرتی ماحول کے تمام عناصر بھرپور طریقے سے کہانی کی بُنت کو آگے بڑھاتے نظر آتے ہیں اور کسی موقعے پر بھی یہ کردار اضافی، بھرتی کے اور زبردستی کہانی کا حصے بنتے نظر نہیں آتے۔ ان جانداروں میں درختوں میں شور مچاتا "می آؤں می آؤں" کرتا مور ہے۔ گھنے جنگل میں چوکڑیاں بھرتا "پندرو" ہرن ہے۔ اس بستی کے لوگوں کی خوراک بنتا "بھوکڑ" ہے اور شروع سے اختتام تک وحشت پھیلاتا ایک

"بھینسا" ہے۔ بستی والوں کے چہیتے "مقدس بیل" ہیں۔ فطرت اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ اس ناول میں جلوہ گر ہے۔ فطرت کے بڑے بڑے نمائندہ اظہاریے اس کہانی کو بیان کرتے نظر آتے ہیں۔ فطرت کا ایک بہت اہم نمائندہ دریا، جو شروع سے ثقافت اور تہذیب کا خالق رہا ہے اس ناول میں بغیر ایک مکالمہ ادا کیے "پاروشنی" ناول کی ہیروئین کے پائے کا کردار ہے۔ جو بستی کی زندگی کا ضامن ہے اور اس کی موت پوری بستی کی موت ہے۔ دریا گھاگرا کے کنارے یہ بستی فطرت کی گود میں سانس لیتی ناول میں ہر جگہ دکھائی دیتی ہے۔

ناول گو کہ 1990ء میں لکھا گیا اور آج سے پانچ ہزار سال قبل کی تہذیب و ثقافت اور تمدن کی جھلک دکھلاتا ہے لیکن ناول کی خاص بات اس میں ماحولیاتی تبدیلیوں اور فطرتی مظاہر کے تبدیل ہوتے پیٹرن کا واضح اظہار ہے۔ اردو زبان میں فطرت اور اس کے متعلقات عام طور پر انسان کو مرکز مان کر ہی بیان کیے جاتے ہیں۔ ان کو عرفِ عام میں انسان مرکز بیانیے کہتے ہیں۔ یہ ناول ایک واضح تخصیص کے ساتھ زمین اور فطرت کو مرکز مان کر اور انسان کو فطرت کے سامنے ایک مفعول کے طور پر دکھا کر لکھا گیا ہے۔ فطرت غالب اور انسان مغلوب معلوم ہوتا ہے۔ اس ناول کا اختتام ایک کڑوی مگر بدیہی حقیقت کا بیان ہے کہ انسان نے اگر اپنے رویے بہت جلد نہ بدلے تو وہ اس کرّہ ارض سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔ فطرت جس کو انسان شروع دن سے مسخر کرنے کے درپے ہے اور اس کے اوپر اپنے بے رحمانہ تسلط کے لیے ہر حربہ آزما رہا ہے۔ اس ناول میں پلٹ کر وار کرتی نظر آتی ہے۔ مستنصر ایک بڑے سوال کو اٹھانے میں یقیناً کامیاب رہے ہیں۔ اردو ناول کی بڑی کامیابی ہے کہ ماحولیاتی تبدیلیاں جو آج ہمیں بے طرح ستا رہی ہیں جن کے ہاتھوں پوری دنیا پریشان ہے، مستنصر ان کی بہت واضح تصویر اس ناول میں دکھاتے ہیں۔

بستی میں زندگی پانی کے دم قدم سے ہے، اگر دریا میں پانی آئے گا تو گندم اور دوسری اجناس کاشت ہو سکیں گی ورنہ نہیں۔ ناول کے آغاز سے ہی ماحولیاتی تبدیلیاں وقوع پذیر ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا کہ فطرت آہستہ آہستہ انسانوں سے روٹھ رہی ہے۔ پانی کی مقدار پہلے کم ہوتی ہے۔ پھر بارشیں منقطع ہوتی ہیں اور آخر میں دریا تک سوکھ جاتا ہے۔ سارا علاقہ ریت کی دبیز تہہ میں ڈوب جاتا ہے۔ درخت سوکھ کر گر جاتے ہیں۔ موسم سخت ہو جاتے ہیں، گویا مستنصر ماضی میں جھانکتے ہوئے چشمِ تخیل سے مستقبل ہمارے سامنے لا کر رکھ دیتے ہیں۔ اس سارے عمل میں انسانی کردار فطرت کے اس ردِ عمل پر متحیر نظر آتے ہیں۔ ایسے ہی ایک موقع پر ناول کے دو کردار مامن ماسا اور چیوا گفتگو کے دوران کچھ یوں گویا ہوتے ہیں:

> "وہ تو میں جانتا ہوں پر رکھ کم ہو رہے ہیں۔۔۔ پرانے تو کھوکھلے ہو کر گرتے ہیں پر ان کی جگہ نئے تو آتے ہی نہیں۔۔۔ میں ادھر گیا تھا ریت کی طرف۔۔۔ نہیں نہیں رکھوں سے باہر نہیں گیا تھا۔ یونہی وہاں کھڑا ہو کر دیکھتا ہوں تو پتہ ہے کیا دیکھتا ہوں؟۔۔۔ کنارے کے رکھ گرتے ہیں تو ان کی جگہ ریت آ جاتی ہے۔۔۔ ریت رکھوں کو چاٹتی بڑھتی جاتی ہے۔۔۔۔۔
>
> "مینہ برسنا کم ہو گیا ہے اس لئے رکھ بھی کم ہو چلے ہیں۔"(۸)

ناول بہاؤ میں فطرت کی مضبوط پیش کش کے ساتھ ساتھ دریائے گھاگرا کے کنارے بسنے والی اس بستی میں جو موئنجو داڑو کی ہم عصر ہے۔ اس زمانے کی ثقافتی اقدار کا بھی بھرپور اظہار ملتا ہے۔ ثقافت کسی علاقے کے فرد کا فطرت کے ساتھ ایسا تال میل ہے جو زبان سے لے کر اس کے لباس، تہوار، خوشی، غم کے طریقے، فنون، علوم، عقائد، اخلاق، زندگی کی اقدار سب کا احاطہ کیے ہوتا ہے۔

ناول بہاؤ میں کرداروں کا اپنی ثقافتی اور تہذیبی اقدار کے ساتھ ساتھ اس زمانے کے مادر سری حالات کا عکس بھی نظر آتا ہے۔ یہ ثقافت آج سے پانچ ہزار سال قبل کی ہے۔ اس میں مادی ترقی کم ہی نظر آتی ہے، لیکن بہر کیف اس ناول کے کردار زندگی اور معاشرتی اقدار کے بارے میں واضح نقطہ نظر رکھتے ہیں۔ ثقافتی اقدار کا حالات کے تحت تبدیل ہونا بھی اس ناول میں نظر آتا ہے۔

اگر ثقافت کے اجزائے ترکیبی پر نگاہ دوڑائیں تو سید سبطِ حسن کے نزدیک دنیا کی ہر تہذیب و ثقافت کی بناوٹ میں یہ چار بنیادی عناصر ضرور شامل ہوتے ہیں:

"طبعی حالات، آلات و اوزار، نظام فکر و احساس، سماجی اقدار"(۹)

ثقافت کی ابتدا اور اس کے وقت کے ساتھ پنپنے کے کوئی حتمی اُصول طے نہیں کیے جاسکتے۔ حالات، واقعات اور اچانک آ جانے والی تبدیلیاں بھی کسی خطے کی ثقافت کو یکسر بدل کر رکھ دیتی ہیں۔

ناول بہاؤ کے طبعی اور جغرافیائی حالات میں دریا کے کنارے بسی یہ بستی درختوں کے جھنڈ کے کنارے آباد ہے اور اس کے رہنے والے اس زمانے کی دوسری بڑی تہذیبوں جو ان کے ساتھ ہی دریائے سندھ کے کنارے زندگی گزارتی ہیں سے اچھی طرح واقف ہیں۔ دریائے گھاگرا ان کے لیے زندگی کی ضمانت ہے ہر دفعہ جب برف پگھلتی ہے، تو دریا کے کنارے پانی چھلک اُٹھتے ہیں۔ ان پانیوں کو یہ لوگ بڑے پانیوں سے یاد کرتے ہیں۔ ماحولیاتی تبدیلیاں ان لوگوں کو متاثر کرنا شروع کر چکی ہیں لیکن عام حالات میں بڑے پانی زندگی کی ضمانت ہیں۔ ان کا آنا خوشی کی علامت ہے۔ پاروشنی جب بڑے پانیوں کی آمد سے آگاہ ہوتی ہے تو اس منظر کو مستنصر کچھ یوں بیان کرتے ہیں:

"پاروشنی نظریں جمائے کھڑی رہی اور دیکھتی رہی اور بہت دیر تک دیکھتی رہی اور تب اُس۔ نے بہت دور مٹھی بھر سفید جھاگ کو دیکھا جو ڈولتی ڈولتی اُس کی طرف آ رہی تھی۔ اور اُس کے پیچھے دو مٹھی جھاگ تھی اور اُس کے پیچھے۔۔۔ وہ فوراً نیچے بیٹھی اور کان پانی کے بہاؤ کے ساتھ لگا کر پورے بدن سے سننے لگی۔ ہاں مدھم سی آواز تھی، دریا بول رہا تھا۔۔۔ بڑے پانی آ رہے تھے"(۱۰)

زرعی تہذیب کی نمائندہ یہ بستی دریا کے کنارے زرخیز زمین پر اُگنے والی فصلوں سے اپنے رہنے والوں کا پیٹ پالتی ہے۔ درختوں کے جھنڈ اِن کے لیے پرندوں کا گوشت مہیا کرتے ہیں اور یوں ان کی گزران ہوتی ہے۔ ناول "بہاؤ" کے کرداروں کے یہی طبعی اور جغرافیائی حالات جب ماحولیاتی تبدیلیوں کے تحت بدلتے ہیں، تو ان کی کھیتی سب سے پہلے متاثر ہوتی ہے۔ زراعت کے متاثر ہونے سے ان کی زندگیاں بالکل بدل کر رہ جاتی ہیں۔ پانی کی کمی، درختوں کی کمی، مال مویشی کی موت ان کے لیے بہت تباہ کن ثابت ہوئی اور بستی کے باشندے ہجرت پر مجبور ہو جاتے ہیں اور جو بستی میں زندگی گزرانے کو ترجیح دیتے ہیں ان کو بھی جان کے لالے پڑے ہوتے ہیں۔

اس ہجرت کو مستنصر حسین تارڑ یوں بیان کرتے ہیں:

"وہ اپنے چھپر کی طرف جاتا تھا جب اس نے بستی میں سے ماتی اور اس کے پتروں کی گڈ نکلتے دیکھی۔۔۔ اس کے پہیوں میں سے دگڑ دگڑ کی آوازیں نہیں آ رہی تھیں بلکہ وہ ایک سست اور ٹھہری ہوئی چال سے ڈولتی جاتی تھی۔۔۔ ماتی بیلوں کے بیچ بیٹھی انہیں ہانکتی تھی اور اس کے پیچھے اس کے تینوں پتر وانگو، چندرو اور جھوریا بیٹھے تھے اور ان کے ساتھ گاگری کی بہن کو اسی تھی جس کا بچہ بھوک سے مرا۔۔۔ گڈ کے ساتھ ان کی پوٹلیاں لٹکتی تھیں۔" (۱۱)

بستی کے طبعی خدوخال بھی ناول میں جابجا نمایاں ہیں جیسے، رُکھ، سروٹ، سرکنڈے، ٹبے، ریت، ڈوبو مٹی، دلدلی میدان، دریا یہ سب مل کر ایک دریائی بستی کے خدوخال اُبھارتے ہیں۔ بستی کے کرداروں کے پیشے بھی ان کی ثقافت کے بارے میں قابل قدر معلومات فراہم کرتے ہیں۔ پکلی جو مٹی کے برتن بناتی ہے اس زمانے کے دستور کے مطابق برتن بھانڈے، جھجریں، بچوں کے کھلونے بناتی تھی۔ اس دوران مونجودڑو میں مٹی کے بھٹے جو ظلم و استبداد کے گڑھ تھے سے بھاگ کر ڈورگا وہاں پہنچتا ہے۔ جو خود بھی بھٹہ مزدور ہے۔ مونجودڑو میں لگی چھوٹی اینٹوں کا خالق ہے۔

ڈور گا کی آمد سے ان کے طرز تعمیر میں ایک جدت آتی ہے۔ اگر ماحولیاتی بدلاؤ دریا کو سکھانہ دیتا تو عین ممکن ہے کہ ڈور گا کی اینٹیں اس بستی کو نیا رخ عطا کر دیتیں۔

ڈور گا دراصل اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کلچر نمو پزیر ہے بیرونی اثرات بھی ایک جے جمائے معاشرے کی ثقافت پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ عقائد اور نظام فکر بھی ثقافت کی بنیادی اساس ہیں بقول ڈاکٹر محمد آصف:

"تہذیب کے صرف خارجی مظاہر نہیں ہوتے بلکہ اس کا ایک دل و دماغ بھی ہوتا ہے یعنی ایک فکر یا فلسفہ زندگی۔" (۱۲)

ہر تہذیب کی طرح دریائے گھاگرا کے کنارے آباد اس تہذیب کا بھی ایک مخصوص طرز فکر اور احساس تھا۔ مادر سری نظام کی پروردہ یہ تہذیب عورت کی مرد سے قدرے برتری کی حامل نظر آتی ہے۔ پاروشنی کا کردار ایک ایسی عورت کا ہے، جو بستی میں خصوصی اہمیت کی حامل ہے جو دانش ور بھی ہے اور مظاہر فطرت کی سمجھ بوجھ بھی دوسروں سے قدرے زیادہ رکھتی ہے۔ اس تہذیب میں مذہبی اعتقادات میں شیو کی عبادت اس پر چڑھاوے چڑھانے کا عمل بھی ان کے مذہبی رجحانات کو بیان کرتا ہے۔ بھکشو کا کردار مذہبی اور مابعد الطبعیاتی ساخت کی طرف اشارہ ہے۔ گویا بستی واضح طور پر مذہبی رسومیات کی نہ صرف سمجھ رکھتی ہے بلکہ عبادات کا مرتب نظام بھی ان کے ہاں پایا جاتا ہے۔ مقدس بیل جن کی دیکھ ریکھ پوری بستی مل کر کرتی ہے۔ بارش کی کمی کی صورت میں کھیتوں میں ملاپ کا فریضہ یہ سارے مذہبی رسم و رواج بستی میں رائج اور مروج ہیں۔

ثقافتی تبدیلی کا عمل اکثر جغرافیائی اور طبعی حالات کی تبدیلی سے جنم لیتا ہے۔ جب نئے افکار پرانے افکار سے یا حالات کی ستم ظریفی معاشرے کو اپنے جبر کا شکار بناتی ہے تو پرانی قدریں دم توڑنے لگتی ہیں۔ اس کا اظہار ناول میں اس وقت ہوتا ہے جب اناج کی کمی کے باعث لوگ مقدس بیلوں کے واسطے چارہ بہم نہیں پہنچا سکتے۔ مقدس بیل پہلے کمزور ہوتے ہیں اور پھر مرنے لگتے ہیں۔ جب کچھ بیل مر جاتے ہیں تو ڈور گا کے کہنے پر مقامی آبادی ان کو کھانے پر آمادہ ہو جاتی ہے۔ اس ایمان کا تذکرہ مستنصر حسین تارڑ کچھ یوں کرتے ہیں:

> "گدھ اور کوّے ہی کھائیں گے۔۔۔ تو کیوں نہ ہم کھالیں۔۔۔"
>
> دھروا کا منہ تڑسے کھلا جیسے کسی نے اس کا جبڑا چیر دیا ہو اس نے اپنی داڑھی کے چند بالوں کو ٹھوڑی سے چپکانے کی کوشش کی۔ باقی لوگ بھی منہ کھولے ڈور گا کو دیکھنے لگے۔ اس نے اپنی لنگی کی ڈب سے پتھر کا ایک تیز پھل نکالا اور بیل کے پاس جا کر اسے تھپکنے لگا۔ کیا۔۔ کیا"۔۔۔ دھروا صرف اتنا کہ سکا۔۔۔
>
> تم بھی آؤ۔۔۔ وہ پل بھر کے لئے رکا اور دوسروں سے کہنے لگا۔ "ہمارے پیٹ ماس کے لئے ترسے ہوئے ہیں اور ہم بھوک سے گرتے پڑتے ہیں تو اسے گدھ اور کوّے کیوں کھائیں۔۔۔ یہ ابھی مرا ہے اور اس کا ماس کھایا جا سکتا ہے"۔۔۔ وہ آگے ہوئے کہ ان کے پیٹ بھی پچکے ہوئے تھے۔" (۱۳)

ثقافتی تشکیل میں ایک اہم پہلو سماجی اقدار کا بھی ہے۔ سماجی اقدار دراصل معاشرے کہ وہ اعمال ہوتے ہیں جو معاشرے میں رابطے، اخلاق، عادات، روایات، حسن و قبح، فن اور فن کے بیان کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ یہ قدریں ایک دن میں ظہور پذیر نہیں ہوتی بلکہ ایک طویل تہذیبی عمل ان اقدار کو سجاتا، سنوارتا اور نکھارتا رہتا ہے۔ یہ قدریں اس پوری قوم کی بھی ہو سکتی ہیں اور بعض دفعہ یہ پوری قوم کے کسی خاص حصے کے لیے جُدا اور مخصوص بھی ہو سکتی ہیں۔ مثلاً دریائے گھاگرا کے کنارے آباد بستی کے لوگ بڑھاپے میں درختوں کا رخ کرتے اور اپنی موت کا انتظار کرتے۔ اسی طرح شادی بیاہ کی رسمیں جُدا ہو سکتی ہیں۔ پاروشنی کی شادی پہ پکلی کا اُسے سجانا، سنوارنا انہی رسموں کا اظہار ہے۔ کھیتی باڑی ساجھے میں کرنا۔ ہر آدمی کے سپرد ایک مخصوص کام کرنا۔ جیسے پاروشنی کی ذمہ داری تھی کہ تمام بستی والوں کے گھڑے بھرا کرے۔ دُھروا کے

ذمے مقدس بیلوں کی حفاظت اوران کے کھانے پینے کا خیال رکھنا تھا۔ پوری بستی میں انفرادی ملکیت کا کوئی تصور نہیں تھا اس لیے کھیتی کے ساتھ ساتھ ملکیت بھی سانجھی تھی۔ کھیت جُدا تھے لیکن اُن کی تقسیم بھی بستی والوں نے اپنی سہولت کی خاطر کر رکھی تھی۔

مقامی ثقافت کا دارومدار جن عوامل پر ہوتا ہے ان میں پیش آنے والی بڑی تبدیلیاں مقامی ثقافت کو یکسر بدل کر رکھ دیتی ہیں۔ "بہاؤ" کے تناظر میں اگر دیکھا جائے تو بستی کی ثقافت ناول کے شروع سے مسلسل جغرافیائی اور طبعی تبدیلیوں کی زد میں ہے۔ پانی کی کمی فطرت کی طرف سے ایک سنگین اشارہ ہے اس کے ساتھ ہی ساتھ لوگوں کے رویے بھی تبدیلی کی طرف گامزن ہیں۔ مذہبی اعتقادات پر سوال اٹھنے شروع ہوتے ہیں، بھکشو کی باتوں کو وہ پذیرائی نہیں ملتی جو پہلے ملتی تھی اور آخر میں جب دریا سوکھتا ہے تو ساتھ ہی کنوؤں کا پانی بھی خشک ہونے لگتا ہے۔ اس عمل سے اُن کے سماج کے تانے بانے ٹوٹتے بکھرتے نظر آتے ہیں۔

ایک مقام پر ورچن جو پاروشنی سے پیار کرتا ہے، بھوک پیاس کی شدت سے گھبرا کر اُسے بستی چھوڑنے کا کہتا ہے تو وہ انکار کر دیتی ہے۔ اس موقع، ورچن اُسے چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔ رسم و رواج، بندھن رشتے سب ایک دھاگے سے جڑے تھے جب وہ دھاگا ٹوٹا تو بستی کی مقامی ثقافت بھی ریت کی دیوار کی طرح ڈھتی چلی گئی۔

ثقافتی پہچان کی بڑی علامت زبان ہے۔ مستنصر حسین تارڑ کا یہ ناول زبان وبیان کے حوالے سے خاص طور پر جانا جاتا ہے۔ ناول کے آغاز سے ہی زبان پورے ناول کی پہچان بن جاتی ہے۔ مستنصر ناول کی زبان کو اس زمانے کے لحاظ سے ترتیب دینا چاہتے تھے اس لیے اُنھوں نے مکالمے، الفاظ، جملوں کی ترتیب، اوزاروں کے نام، علاقوں کے نام، تہواروں، مذہبی اعتقادات کا بیان اُسی زمانے کے حوالے اس قدر چابک دستی سے کیا ہے کہ ناول کا بیانیہ انتہائی اثر انگیز اور زوردار ہو گیا ہے۔ مقامی ثقافت کی ایک بڑی پہچان اس علاقے میں بولی جانے والی زبان ہے جو دوسرے علاقوں سے اُسے ممتاز کرتی ہے۔ ہر علاقہ اس حوالے سے خصوصی پہچان اور شناخت رکھتا ہے۔ اس پہلو سے ناول میں استعمال شدہ الفاظ کی ایک طویل فہرست مرتب کی جا سکتی ہے۔ مستنصر قاری کو اس زمانے کی زبان، ان خاص الفاظ تک پہنچا دیتے ہیں جو اس بستی کی خاص شناخت ہے۔

مستنصر حسین تارڑ کا یہ ناول اردو ناولوں میں ایک گرانقدر اضافہ ہونے کے ساتھ ماحول، ماحولیاتی تبدیلیوں اور انسان کے ہاتھوں فطرت کو یرغمال بنانے کی کوشش اور فطرت کے ردِ عمل کی ایک بڑی پیشکش ہے۔ مقامی ثقافت، فطرت کے ساتھ ایک اٹوٹ بندھن میں بندھی ہوئی ہے جب بھی فطرت پر ضرب پڑے گی اس کا خمیازہ انسان کو بھگتنا پڑے گا۔ یہ ناول اردو ادب میں ماحولیاتی تبدیلیوں کو زوردار طریقے سے اُجاگر کرتا ہے اور اس ناول میں فطرت مہمان اداکار کے طور پر نہیں بلکہ مرکزی کردار کے طور پر ہمارے سامنے آتی ہے۔ انسان اور فطرت کا صحت مندانہ تال میل ہی اس کرّے کی بقا کا ضامن ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حوالہ جات

۱۔ قاسم یعقوب، ادب اور فطرت، ماحولیاتی تناظرات، مشمولہ ثبات، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، ص:۲۳۶

۲۔ سید منور شاہ ، اقبال کے اردو کلام میں فطرت نگاری، شعبہ اردو جام شورو، جامعہ سندھ، ۲۰۰۰ء، ص:۶

۳۔ ظفر حسن، ڈاکٹر، سرسید اور حالی کا نظریہ فطرت، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، ۲۰۱۴ء، ص:۲۳۰۔۲۳۱

۴۔ آغا، وزیر، معنی اور تناظر، انٹر نیشنل اردو پبلی کیشنز ۹۲۲، کوچہ روہیلا خان دریا گنج، نئی دہلی، ۲۰۰۰ء، ص:۴۳

۵۔ فیض احمد، فیض، ہماری قومی ثقافت، تہذیب کی تعریف، ادارہ یادگارِ غالب، فروری ۱۹۷۶ء، ص:۱۷

۶۔ فیض احمد، فیض، ادارہ یادگارِ غالب، پرنٹنگ محل ناظم آباد، کراچی، ۱۹۷۶ء، ص:۱۹
۷۔ تارڑ، مستنصر حسین، بہاؤ، سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۲۰ء، ص:۵
۸۔ ایضاً، ص:۱۵۸
۹۔ سبطِ حسن، سید، پاکستان میں تہذیب کا ارتقا، مکتبہ دانیال، وکٹوریہ چیمبر عبداللہ ہارون روڈ کراچی، جنوری ۱۹۷۷ء، ص:۲۵
۱۰۔ تارڑ، مستنصر حسین، بہاؤ، سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۲۰ء، ص:۲۵
۱۱۔ ایضاً، ص:۲۴۵
۱۲۔ محمد آصف، ڈاکٹر، اسلامی تہذیب کی کشمکش، فکر اقبال کے تناظر میں، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص:۲۹
۱۳۔ تارڑ، مستنصر حسین، بہاؤ، سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۲۰ء، ص:۲۲۶

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Roman Havalajat

1. Qasim Yaqoob, Adab aur Fitrat, Maholiati Tanazur, Mashmoola Sabaat, Allama Iqbal Open University, P:236
2. Syed Manawar Shah, Iqbal ke Urdu Kalam mein Fitrat Nigari,Shoba Urdu Jamshoro, University of Sindh, 2000,P:6
3. Dr. Zafar Hassan, Sir Syed aur Hali ka Nazriya Fitrat,Idara-e-Saqafat-e-Islamia, 2014,P:230-231
4. Agha, Wazir: Mani aur Tanazur,International Urdu Publications, 922, Kochah Rohila Khan Darya Ganj, New Delhi,2000, P:43
5. Faiz Ahmed, Faiz,Hamari Qaumi Saqafat,Tehzeeb ki Tareef, Idara Yaadgar-e-Ghalib, February 1976,P:17
6. Faiz Ahmed, Faiz,Idara Yaadgar-e-Ghalib, Printing Mahal Nazimabad, Karachi,1976,P:19
7. Tarar, Mustansar Hussain, Behao,Sang-e-Mil Publications,2020, P:5
8. Tarar, Mustansar Hussain, Behao,Sang-e-Mil Publications,2020,P:158
9. Sibt-e-Hassan, Syed, Pakistan mein Tehzeeb ka Irtiqa,Maktaba Daniyal, Victoria Chamber Abdullah Baron Road Karachi, January 1977, P:25
10. Tarar, Mustansar Hussain, Behao,Sang-e-Mil Publications,2020, P:25
11. Tarar, Mustansar Hussain,Behao,Sang-e-Mil Publications,2020, P:245
12. Dr. Muhammad Asif, Islami Tehzeeb ki Kashmakash, Fikr-e-Iqbal ke Tanazur mein, Idara Saqafat-e-Islamia, Lahore, 2005, P:29
13. Tarar, Mustansar Hussain, Behao, Sang-e-Mil Publications,2020,P:226